من مورکھ کی
بات نہ مانو

آسیہ مرزا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

آسیہ مرزا

من موہن کی بات نہ مانو

رات کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی فضا میں کسی بھوت کی طرح مسلط محسوس ہو رہی تھی۔

یاور علی اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے ادھیڑبن میں مبتلا تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں آیا یہ بات اپنی بیٹی مومنہ کو بتا دینا چاہیے کہ... عباد گیلانی' نے ان سے رابطہ کیا ہے۔ آج بائیس برسوں کے بعد اچانک ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے بلکہ اصرار کیا ہے۔

وہ بستر علالت پر تھا۔ اسے بلڈ کینسر جیسا موذی مرض لاحق ہو گیا تھا۔

وہ اسی سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا؟ اس نے مومنہ کا ذکر نہیں کیا تھا نہ اس کے بارے میں کوئی سوال اٹھایا۔ بس اس کے لہجے میں ایک ہی اصرار تھا ایک ہی تکرار تھی کہ۔

"وہ فقط ایک بار ان سے ملنے آجائیں' اسے مایوس نہ کریں' وہ ایک آس' امید لیے ان کا منتظر ہے۔"

وہ ہرگز نہ جاتے انہیں "عباد گیلانی" سے ملنے کی قطعاً خواہش نہ تھی' اس کے نام کے ساتھ ہی بہت کرب انگیز ماضی ان کی نظروں کے سامنے آجاتا تھا اس شخص نے ان کی بیس سالہ ہنستی مسکراتی بیٹی کی مسکراتی زندگی کی خوشیوں' مسرتوں کا قطرہ قطرہ نچوڑ لیا تھا' اس کی گود اجاڑ دی تھی۔ اسے بے رنگ و بو کر کے رکھ دیا تھا۔

مگر باوجود اس کے وہ عباد گیلانی سے نفرت کرتے تھے' اس سے ضرور ملنے جانا چاہتے تھے۔ عادل ان کے بیٹے... ؟ کا بھی یہی مشورہ تھا کہ انہیں جانا چاہیے۔ وہ ان سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا... ؟ ان کے دل میں بھی باپ کے دل کی طرح اس خوش فہمی کی لہر نے سر اٹھایا تھا کہ شاید وہ "حازم" کے حوالے سے کوئی ازالہ کرنا چاہتا ہو۔

"آپ مومنہ کو سمجھالیں۔ اور مومنہ کو اعتماد میں لے کر ہی یہ قدم اٹھائیے زیادہ مناسب ہو گا۔" یہ عادل بھائی کا خیال تھا۔

وہ مومنہ کا بڑا بھائی تھا مومنہ کے لیے کوئی معمولی خوشی کی لکیر بھی اسے دکھائی دیتی تو وہ اسے کھوجنے لگتا تھا۔ یہ چاندی سی آنکھوں والی لڑکی اسے بے حد عزیز تھی وہ اس کی ہر تکلیف محسوس کرتے تھے۔

"یوں بھی یہ بات چھپ نہیں سکتی۔"

عادل نے کہا تو یاور علی کو بھی یہی بہتر لگا اور انہوں نے مومنہ سے کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس سے بات کر ڈالی۔

اس کا ردعمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا' مومنہ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ سوچ نہیں آسکتی تھی کہ "معباد گیلانی" اس کے باپ یاور علی سے رابطہ کرے گا۔ ان سے ملنے کی خواہش کرے گا۔

"بائیس سال کے بعد پکارا بھی تو اس لیے کہ بستر مرگ پر تھا۔" اس نے اپنے منتشر اعصاب کو سنبھالتے ہوئے باپ کی طرف قدرے شاکی نظروں سے دیکھا تھا جن کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عباد سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ مگر بیٹی کی اجازت کے بغیر یہ قدم اٹھانے سے ہچکچا رہے تھے۔

"ابا جی اب کون سا تعلق رہ گیا ہے ان کے اور میرے درمیان۔ اب کون سے رشتے کا پل بچا ہے ہمارے بیچ۔۔۔ سب کچھ تو بہہ گیا ہے' کوئی رسمی تعلق کی ڈور بھی نہیں ہے۔"

ایک افسردہ سانس کھینچتے ہوئے اس نے یاور علی کو دیکھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

ایک بے چارگی آمیز کرب اس کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر بکھرا ہوا تھا۔

"سوائے بدہیت اور تلخ یادوں کے ہمارے پاس کیا ہے اسے دینے کو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بائیس سال بعد اچانک اسے اس مدفون رشتے پر پڑی راکھ کو کریدنے کا خیال کیونکہ کر آگیا؟ نہ اس کی کوئی جائیداد ہمارے پاس ہے نا اس کی کسی بیماری کا علاج۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر وہ۔۔۔" یاور علی نے اپنے ہاتھ کا تسلی آمیز دباؤ اس کے کندھے پر بڑھاتے ہوئے بولے۔

"ہو سکتا ہے وہ اپنے کیے پر نادم ہو' ماضی میں کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کرنا چاہ رہا ہو۔"

"ازالہ۔۔۔ کیسا ازالہ۔۔۔؟" اس نے کچھ حیرت سے یاور علی کو دیکھا پھر جیسے یکدم ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں گہری کاٹ تھی۔

"ازالہ۔۔۔ بائیس سال بعد یہ احساس ہو جانا۔۔۔ آہ! کتنا مضحکہ خیز سا لگتا ہے۔"

یاور علی کو لگا وہ ہنسی نہیں ہو بلکہ اس کا دل بہت شدت سے رویا ہو۔ بسا اوقات آنسو بہت روانی سے آپ کے دل پر گر رہے ہوں اور لبوں پر ایسی ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی ہوتی ہے' یہ نئے سرے سے اسی اذیت سے گزرنے کا عمل ہوتا ہے۔

یاور علی خود بھی جیسے بیٹی کے ساتھ ساتھ اس اذیت سے گزرنے لگے۔

ان کا دل چاہا ان کے پاس کوئی ایسا مسیحا ہاتھ ہوتا جس سے وہ اس کے تڑپتے دل پر ہاتھ رکھ کر وہ سارا درد کھینچ لیتے۔

"ابا جی آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو نہیں روکوں گی۔" چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ آہستگی سے گویا ہوئی اس کی آواز گو کہ دھیمی تھی مگر اس میں ایک کاٹ اور کھرچ تھی جو یاور علی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ تاہم اس کھرچ کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنا لرزتا ہوا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"تم مجھے غلط مت سمجھنا مومنہ۔ کہ میرے دل میں عباد کے لیے اب بھی کوئی نرم گوشہ ہے‘ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں تو اس کی وجہ فقط "حازم" ہے۔ حازم میری موہوم سی امید ہے مومنہ ہو سکتا ہے وہ اس کے ذریعے کوئی ازالہ کرنا چاہتا ہو۔"

مومنہ کو اپنے اعصاب یکدم کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پہلو سے جیسے کوئی تلاطم لہرا اٹھی مگر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موج ساحل پر آکر دم توڑ دے۔

بس لحظہ بھر‘ اس کا دل بھی یاور علی کے دل کی طرح خوش فہمی کی مانوس سی اتھاہ میں ڈوب کر ابھرا تھا‘ مگر دوسرے پل اسے اپنی اس خوش فہمی پر ہنسی آگئی۔

"آہ.... سچ ہے کہ صرف صحرا ہی انسان کو سراب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ کسی کا کوئی لفظ‘ بھی دل کو چھو کر دھوکا دے جاتا ہے۔"

"تم اسے میری خوش گمانی سمجھ لو.... میں حازم کی چاہ میں اپنی انا کو کچلنے کو تیار ہوں۔"

یاور علی کی آواز میں ایک لرزتی امید تھرک رہی تھی۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں نواسے کو دیکھنے کی خواہش مچل رہی تھی‘ ان کی لرزتی انگلیاں اسٹک پر مضبوطی سے جمنے کی کوشش کرنے لگیں۔

مومنہ نے کہنا چاہا کہ....

اتنے برسوں بعد اب وہ بیٹا اس کا کب رہا تھا‘ اس کے ذہن کے تمام گوشوں سے اس کی ماں کے نقش تک کو بھی مٹا دیا گیا تھا‘ بلکہ ایک مسخ شدہ صورت کے ساتھ اس کو ماں کو یقیناً "پیش کیا گیا ہو گا۔ وہ بھلا کیونکر اسے ماں تسلیم کرے گا۔

"ایسی کوئی خوش فہمی کم از کم مجھے اب نہیں رہی ہے۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔ "وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے ابا جی۔ اس کی رگوں میں آپ کا نہیں اس کے باپ کا خون دوڑ رہا ہو گا امیدی اور خوش گمانی کی چادر کو اتنی مضبوطی سے نہ اوڑھ لیں کہ جب یہ ہاتھ سے چھوٹ جائے تو آپ کے قدم بھی اکھڑ جائیں۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"میں آپ کو جانے سے نہیں روکوں گی مگر ایسے قدموں سے جائیے گا کہ پلٹ کر آنے کا حوصلہ ہو‘ قدم جما کر اٹھا سکیں۔"

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔

ذہن و دل میں ایک انتشار برپا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جس صبر کی چادر کو اوڑھے بائیس سال گزار دیے اس چادر کا ٹانکا ٹانکا آج ادھڑنے لگا ہو۔

وہ کھلے صحن میں نکل آئی۔ اسے اپنا آپ باد صرصر آئے تنکے کی طرح محسوس ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
ہائے پیار کیا تو
پیار کیا کوئی چوری نہیں کی
چھپ چھپ کے آہیں بھرنا کیا
جب پیار کیا تو

اس کی ترنگ اور لہک میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حوریہ کی خشمگیں نظروں پر بھی گویا مطلق اثر نہ تھا۔

آج کہیں گے دل کا فسانہ
جان بھی لے لے چاہے زمانہ

اس نے اپنی ہنسی اور ترنگ کو سمیٹتے ہوئے جلدی سے اس کا ہاتھ کھینچ لیا جو گھاس کے فرش سے اٹھنے لگی تھی۔

"مانا تمہاری آنکھیں مومنہ آنٹی کی طرح بھرپور ہیں مگر میں ان شعلوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔ آہا.... جو پہلے ہی مثل پتنگا جل جل کر جان دے چکا ہو اب کیا آنچ اسے...." وہ اسی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ہنسی۔

ہائے....! ہیں کتنے خوب صورت
اس آگ کے شرارے
کچھ لوگ روٹھ کر بھی
لگتے ہیں کتنے پیارے

"تمہاری ان حرکتوں پر مجھے دکھ اور افسوس ہو رہا ہے فضا۔" وہ بیٹھ تو گئی مگر اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جرنل اور بکھری کتابیں سمیٹنے لگی۔

"یار تجھے بتا کر میں نے کچھ غلطی نہیں کر ڈالی؟" فضا کے انداز میں اب بھی شرارت تھی وہ سر کھجا کر حوریہ کو دیکھنے لگی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ بہت بڑی غلطی کر ڈالی تم نے مجھے بتا کر؟ کم از کم مجھے اپنے بھروسے کے ٹوٹنے کا غم تو نہ ہوتا۔" حوریہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے اس میں بھروسا ختم ہونے کی کیا بات ہے کیا محبت کرنا جرم ہے 'اب یہ تو ہو جاتی ہے، بندہ جان کر تو نہیں نا اس آگ میں کودتا۔" فضا اس کے لہجے کی کاٹ پر برا مان گئی۔

"یہ محبت نہیں ہے 'وقت گزاری ہے 'فلرٹ ہے 'ہوس ہے 'محض تن آسودگی کا سامان ہے۔ یہ جرم ہی ہے گناہ بھی ہے گناہ عظیم۔"

"او ہو تم تو جذباتی ہو گئیں ادھر بیٹھو 'جا کہاں رہی ہو۔" فضا نے اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ پیچھے ہٹ گئی۔

مزید بیٹھی رہی تو تمہارے اس تھرڈ کلاس افیئر کی بکواس سنتی رہوں۔"

"وہ ایسا ویسا نہیں ہے حوریہ۔ قسم سے تم اس سے ایک بار مل کے دیکھو میری چوائس کو سراہے بغیر نہیں رہو گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ کوئی کنگلا 'آوارہ قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ بہت ویل آف فیملی کا ہے 'ایک دم چارمنگ 'ڈیشنگ۔" فضا کی ان باتوں پر اسے ہنسی آگئی۔ وہ دونوں کالج انٹرنس کی طرف ٹہلتے ہوئے چلنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے؟" فضا نے چڑ کر اسے دیکھا۔

"ہاں اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی واقعی ہنسنے والی بات تو کوئی نہیں ہے۔" اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ استہزائیہ آمیز ہو گئی۔

"بلکہ دکھ اور افسوس کا مقام ہے۔" وہ سر ہلانے لگی پھر ایک متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"حقیقتاً" اس پر ہنسنے سے زیادہ رونا چاہیے تھا تمہاری اس سوچ پر۔ کیا ڈیشنگ 'ویل آف لڑکوں کے ساتھ سڑکوں سڑکوں گھومنے پر کوئی ممانعت نہیں ہوتی 'یہ گناہ نہیں ہوتا گاڈ سیک فضا 'یہ تم کن راستوں پر چل رہی ہو 'تمہاری سوچ کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر یہ فلرٹ ہے تو بند کرو اور اگر وہ سیریس ہے تو اسے کہو وہ پراپر راستے سے تمہاری

زندگی میں آجائے۔ یہ اس طرح تمہیں متاثر کرنے کے لیے روز نئی ماڈل کی گاڑیاں لے کر نہ آئے، نہ تمہیں گرل فرینڈ کی طرح سڑکوں، ہوٹلوں اور پارکوں میں لیے لیے نہ پھرے۔ یہ بازار اور پارک محبت بڑھانے اور تعلقات بڑھانے کی جگہیں نہیں ہیں یہ وقت گزارنے کے لیے ہوتے ہیں، سیدھے اور صاف راستے سے آئے۔ شادی کر لے تم سے پھر جتنی چاہے شاپنگ کرائے، جتنا دل چاہے نئی نئی گاڑیوں میں گھماتا پھرے تمہیں۔"

وہ حد درجہ بگڑ گئی۔ پتا نہیں کیوں اسے ہمیشہ سے ایسی باتوں سے خوف آتا تھا۔ اس کی نظر میں محبت ایک سچا پاکیزہ جذبہ ہے یہ یوں راہ چلتوں سے نہیں ملتی۔

ہاں محبت کے نام پر خوش نما فریب ملتے اس نے ضرور دیکھے تھے۔

بے شک چاہے اور چاہے جانے کے احساس سے کوئی عورت نہیں نکل سکتی۔ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس اس کے لیے زیادہ دلفریب اور فخر انگیز ہوتا ہے مگر اس کے لیے جائز راستے بھی ہیں، ناجائز راستوں پر چلتے ہوئے پانے کی منزل کبھی نہیں آسکتی، ہاں سفر کی یہ بدمستی اسے بدمست ضرور کیے رکھتی ہے اور اس بدمستی میں کھو کر وہ جو کچھ کھو دیتی ہے اس کا احساس ہمیشہ لاحاصل، خالی ہاتھ رہ جانے کے بعد دکھائی سجھائی دیتا ہے مگر اس وقت سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہتا۔

وہ فضا تنویر کی اس کم عقلی اور ناعاقبت اندیشی سے حقیقتاً" خوفزدہ ہو گئی تھی جو چاہے جانے کے عوض سب کچھ داؤ پر لگا دینے کو تیار بیٹھی تھی۔ اس کے بدن پر پہنا جدید تراش کا سوٹ، اسی امیرزادے کا دیا ہوا تھا جسے وہ فخر سے اپنے بدن پر ڈال کر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

وہ شاطر شکاری یہ چھوٹی چھوٹی مادی خواہشات اگر پوری نہ کرتا تو فضا تنویر جیسی ان چھوئی بھرپور لڑکی اسے کس طرح تسکین پہنچا سکتی تھی۔

یہی نہیں فضا نے اسے وہ سارے گفٹس دکھائے تھے جو وہ اسے دیتا رہا تھا اور وہ خوشی خوشی استعمال کرتی مگر چاہنے کے باوجود وہ اس سے یہ نہ کہہ سکی کہ احمق لڑکی بدلے میں وہ تم سے کیا لے رہا ہے اس کا احساس ہے۔

"ارے کہاں چلیں۔ حوریہ پلیز....." فضا اسے روکتی رہ گئی۔ وہ رکشا میں بیٹھ گئی۔

روتھ مین اور لائٹر اٹھا کر حازم اس بڑی سی لابی کے سلائڈ ونڈو کی طرف آگیا۔ کشادہ آراستہ اس لان کی طرف کھلنے والی ان کھڑکیوں کے پاس اس کے پاپا کی بے حد خوب صورت کرسی رکھی رہتی تھی جس پر اکثر وہ بیٹھ کر سگریٹ پیتا تھا۔

اس نے ہلکے سے پش کر کے سلائڈ ڈور کھول دیے۔

گیلانی ہاؤس کا باغیچہ ہمیشہ کی طرح اپنی تمام تر تازگی اور بھرپور طراوت کے ساتھ آباد تھا۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچی جیسے اس خوشگوار ہوا کی ساری تازگی پھیپھڑوں میں بھر رہا ہو۔ پھر سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

گو کہ بیرونی موسم اسے کبھی فیسی نیٹ (متاثر) نہیں کرتے تھے اسے بدلتے موسموں سے خاص دلچسپی نہیں تھی، ہر موسم اسے عموماً "معمولی ردوبدل کے ایک ہی لگا کرتا تھا۔ بقول بابر کے۔ وہ اجتماعی اور غیر ذاتی معاملوں کے تعلق میں ایک پرامید شخص رہا ہے مگر اپنی ذاتی معاملوں میں ایک قنوطی یا یاسیت زدہ آدمی ہے۔

بابر.... اس کا چھوٹا بھائی اس سے عمر میں پانچ سال چھوٹا ہونے کے باوجود کھلے ڈلے اس کی ذات پر تبصرے اور تجزیے کر ڈالتا تھا۔ جبکہ اس کا خیال تھا۔

ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق زندگی گزارتا ہے وہ اس کے تجزیے کو غلط کہتا تھا مگر کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی ذات کے اندر اترتا تو اسے اس کا یہ تجزیہ کچھ درست ہی معلوم ہوتا۔

بڑے غیر محسوس طریقے سے اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا۔ وہ واقعی یاسیت زدہ اور قنوطی ہوتا جا رہا تھا' وہ سوچتا کہ شاید ابتدائی عمر میں تشنگی۔ اور محرومی کا جو بیج بویا جاتا ہے وہ بڑھنے کے ساتھ تناور درخت بن جاتا ہے۔

کوئی وقت ہو
کوئی محفل
اس کی کسک چبھتی رہتی ہے

گو کہ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ' اسٹیپ مدر اور بھائی بابر کے ہمراہ۔ اپنے حال میں بہت مطمئن اور خوش ہے' رنجیدہ ہونے یا دل گرفتہ ہونے کے لیے اس کے پاس کبھی وقت ہی نہیں تھا۔ وہ بھرپور طریقے سے زندہ رہا ہے۔

مگر ایسا کچھ نہیں تھا وہ غیر شعوری طور پر خوش ہوتا نہیں تھا۔ اگر آنسو اسے خائف کرتے تھے تو اونچے قہقہے بھی وہ نہیں لگا پاتا تھا۔

پتا نہیں وہ ذاتی طور پر ایک سنجیدہ اور بردبار سا تھا یا پھر اندر سے کسی کمی نے اسے توڑ دیا تھا۔

"ہیلو پارٹنر! کہتے ہیں خود فراموشی کتنی ہی چارمنگ ہو مگر دائمی نہیں ہونی چاہیے۔ کیا خیال ہے۔"

اس کی مضمحل سوچوں کے تسلسل کو بابر کی آواز نے ایک چھناکے سے توڑا تھا۔

اس نے سگریٹ کی ٹوپ پر بننے والے راکھ کے پہاڑ کو انگلی کی جنبش سے کھڑکی سے باہر ہی جھٹک دیا اور مسکراتے ہوئے کرسی سمیت بابر کی طرف رخ کیا۔

"موسم سے فیسی نیٹ ہو رہے تھے یا کسی اور جہاں میں پہنچے ہوئے تھے۔ میں نے ناحق مداخلت تو نہیں کر دی۔"

اس نے حازم کی کرسی سے لگ کر کھڑکی سے باہر سرسری نظریں دوڑائیں۔

"موسم واقعی اچھا ہو رہا ہے۔" پھر حازم کی طرف نظریں طائرانہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

"کہیں جانے کی تیاری دکھائی دے رہی ہے؟"

"ہوں۔" حازم نے جھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں بجھادی۔
"پاپا کی طرف نکلنا تھا۔ ڈاکٹر زمان سے میٹنگ ہے پاپا کی پروگریس رپورٹس پر ڈسکس کرنا تھا" اس نے تپائی سے روتھ مین کا پیکٹ اور لائٹر اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔
"تم ہاسپٹل گئے تھے ؟"
"نہیں کہاں میں جا ہی نہیں سکا۔" بابر غیر محسوس طور پر پزل سا ہو گیا۔
"بس ایک ضروری کام نمٹانا تھا' آفس بھی نہیں جا پایا۔ آج ضرور چکر لگاؤں گا۔"
اس کی وضاحت بڑی کھوکھلی سی تھی۔ حازم کے لیے یہ کوئی انہونی نہیں تھی۔
ان ماں بیٹے سے سوتیلے ہونے کے باوجود اسے پیار تھا مگر بس یہی شکوہ تھا کہ وہ دونوں باپ سے اتنی محبت نہیں کرتے تھے جتنی ایک بیٹے اور ایک بیوی کو ہونی چاہیے۔
عاظمہ (اسٹیپ مادر) کو اپنی شاپنگز' اپنی پارٹیز اور پارٹیز فرینڈز سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔
اور بابر کی پڑھائی کے علاوہ کیا سرگرمیاں تھیں اسے خبر نہ تھی نہ خبر رکھنے کا شوق' وہ جس سوسائٹی کا پروردہ تھا وہاں ایسی باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تاہم جب سے اس کا باپ عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوا تھا وہ حد درجہ حساس اور شاکی ہو گیا تھا۔
اسے تو خود باپ کی اس بیماری کے بعد یکدم یہ احساس ہوا کہ اس کا باپ اس کے لیے کتنا امپورٹنٹ ہے۔
اس کا ذہن اس وقت بھی اس کے باپ کی بیماری اور اس سے متعلقہ رپورٹس کے بارے میں فکر مند تھا۔
ڈاکٹر زمان کے ساتھ میٹنگ کے علاوہ اس کے باپ نے اسے خصوصی طور پر کسی سے ملنے کے لیے بلوایا تھا۔
وہ نہیں جانتا تھا وہ اسے اپنے کس خاص مہمان سے ملوانا چاہ رہے تھے تاہم اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔
"اوکے۔۔۔ میں بھی فریش ہو کر پاپا کی طرف جاتا ہوں۔" بابر کہہ رہا تھا مگر وہ یکدم بجنے والے سیل فون کی طرح متوجہ تھا اور بابر کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
"حازم۔۔۔ ہاسپٹل جا رہے ہو کیا؟" خوب صورت ماربل کے کشادہ زینے سے اترتے ہوئے عاظمہ نے اسے پکارا۔
شانوں تک کٹے ہوئے بالوں کے رول کھولتے ہوئے وہ نیچے لابی میں آرہی تھیں۔ رات کی نائٹ میکسی میں زیب تن تھیں گویا کچھ لمحے پہلے ہی نیند سے بیدار ہوئی تھیں۔ حازم نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اپنا سیل فون آف کیا اور اپنی اسٹیپ مادر عاظمہ کی طرف پلٹا۔
"جی۔"
"عباد اپنا موبائل ریسیو کیوں نہیں کر رہا ہے پاور بھی آف نہیں ہے اور موبائل تو اس کے سرہانے ہی رکھا ہوتا ہے نا۔" حازم نے سر ہلا دیا۔
"اوکے میں ابھی جا کر آپ کی بات کراتا ہوں۔" اسے قطعی حیرت نہیں ہوئی کہ پاپا ان کا فون ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے۔ جبکہ چند لمحے پہلے اس کی پاپا سے ان کے موبائل پر بات ہوئی تھی۔
اسے بس دکھ ہوتا تھا کہ اس اسٹیپ مادر کے رویوں پر جو ایسے وقت اپنے شوہر کے پاس موجود ہونے کے نیند کے مزے لوٹتی رہی تھیں پارٹیز گیٹ ٹوگیدر اور شاپنگز میں بزی رہی تھیں۔
"اوکے۔۔۔ ضرور بات کراؤ' ایک تو اس آدمی کی بھی ناں سمجھ نہیں آتی' بس پریشان کر کے رکھنا اس کی عادت ہے۔"
"بندہ فون پر خیریت بھی نہیں پوچھ سکتا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئیں لابی سے ملحقہ کچن کی طرف چل دیں۔

"اور یہ تم کہاں آوارہ گردی کرتے رہتے ہو' دو دو دن تک شکل نظر نہیں آتی مجھے تمہاری۔ ہوتے کہاں ہو تم ؟"
وہ بابر کو لابی کے گداز صوفے میں دھنسا دیکھ کر ملازمہ کو چائے کا کہہ کر اسی طرف آگئیں۔ اس نے ریموٹ سے ایل سی ڈی کے چینل کو ادھر ادھر کرتے ہوئے غیر دلچسپی سے ماں کی بات سنی ان سنی کر دی۔
"میں تم سے کہہ رہی ہوں بابر۔ باپ تو کیا ہاسپٹلائز ہوئے ہیں تمہیں کھلی چھٹی مل گئی خدا جانے کہاں کہاں پھرتے رہتے ہو' اسٹڈی کرتا تو تمہیں دیکھتی نہیں ہوں۔ نہ آفس جاتے نظر آتے ہو۔" وہ اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئیں۔
"آپ خود کہاں گھر میں ہوتی ہیں کہ میں نظر آؤں گا آپ کو۔" وہ طنز سے ہنسا۔
"یہ بتاؤ کل سبینہ کے یہاں کیوں نہیں آئے' لائبہ تمہیں بڑا مس کر رہی تھی۔" وہ اس کے طنز کو نظرانداز کر گئیں۔
"مسئلہ یہ ہے کہ میں اسے بالکل مس نہیں کر رہا تھا۔ سو نہیں آیا۔" جواب دے کر وہ تپائی پر رکھا چپس کا پیکٹ اٹھا کر کھانے لگا۔
عاظمہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔
"وہ کسی گرے پڑے خاندان کی نہیں ہے میرے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بیٹی ہے' تنہا جائیداد کی وارث' تم جیسوں کو وہ بھی جیب میں رکھتی ہے۔"
عاظمہ نے چڑ کر اسے بری طرح جھڑکا۔ اسے بابر کا یہ لب و لہجہ بے حد کھلا تھا۔
"سوچ لیں مما' آپ اپنے سگے بیٹے کے لیے ایسا جملہ استعمال کر رہی ہیں۔"
"ہاں' ناں تو۔۔۔ غرور ہے تم میں بھی بڑا تو وہ بھی میرا خون ہے۔ تم اپنے باپ کے خاندان پر فخر کرتے ہو۔۔۔"
"اور آپ اپنے باپ کے۔" بابر ان کا جملہ اچک کر بولا اور ہنسنے لگا۔
"اچھا ہٹو پیچھے صبح صبح موڈ خراب مت کرو میرا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ چھین کر ٹیبل پر پھینکا۔
"صبح نہیں شام ہے مما۔ آپ صبح شام کا فرق کرنا بھول گئی ہیں۔"
افوہ۔۔۔ تم سے تو بات کرنا مشکل ہو جاتی ہے' آ کر گلے میں پھندے کی طرح پڑ جاتے ہو۔۔۔
"نصیبہ" وہ بابر کی منچلی عادت سے چڑ کر ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔
"سن نہیں رہی ہو کب سے پکار رہی ہوں۔ چائے دو مجھے۔" وہ گویا سارا چڑچڑا پن ملازمہ پر نکالنے لگیں۔
ملازمہ حکم سن کر سر جھکا کر بھاگ لی۔
"تم دیکھنا میں لائبہ کی شادی حازم سے کراؤں گی۔ حازم میں بہت کوالٹیز ہیں وہ اپنے باپ کی طرح دل پھینک اور رنگیلا نہیں ہے۔"
"واؤ۔" بابر یکدم نرم گداز صوفے سے یوں اچھلا جیسے اسپرنگ لگے ہوں' لمبا چوڑا مضبوط قد کاٹھ کا یہ لڑکا۔ جس طرح اچھلا عاظمہ اسی صوفے پر بیٹھنے کی وجہ سے خود بھی ہل گئیں۔
"ویری سرپرائز۔۔۔"
"او مائی گاڈ!" اس نے چپس کے اٹھائے ہوئے پیکٹ پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر ہنسنے لگا۔
"یہ حازم میں آپ کو اتنی کوالٹیز کہاں سے دکھائی دینے لگیں مما۔" وہ چڑا رہا تھا۔
"خوبیاں تو اس میں بہت ہیں بس احساس اب ہونے لگا ہے۔" عاظمہ نے ایک گہری سانس کھینچی' اس کی نظریں داخلی دروازے کی طرف اٹھیں جہاں سے کچھ دیر پہلے حازم کو نکلتے دیکھا تھا۔

وہ عباد گیلانی کی طرح — خوب صورت اور مردانہ وجاہت رکھتا تھا مگر اپنے باپ کی طرح تند خو' بدمزاج اور جذباتی نہیں تھا بلکہ متحمل اور بردبار تھا اس کے پاس آکر ٹھنڈی چھاؤں کا احساس ضرور ملتا تھا۔

"خدا خیر کرے۔ آج آپ کو حازم فوبیا ہو گیا ہے۔" بابر نے یہاں سے اٹھنے کی ہی عافیت جانی۔

"ارے تم کہاں چلے۔" عاظمہ جیسے کسی احساس سے نکل کر اسے بھاگتے دیکھ کر چلائیں۔

"سی یو اگین مما۔" وہ ہاتھ ہلا تا لابی سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

کبھی جو چھیڑ گئی یاد رفتگاں محسن
بکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسن
ہوا نے راکھ اڑائی تو دل کو یاد آیا
کہ جل بجھیں میرے خوابوں کی بستیاں محسن
کھنڈر ہے عہد گزشتہ ' نہ چھو نہ چھیڑ اسے
کھلیں تو بند نہ ہوں اس کی کھڑکیاں محسن

سچ ہی ہے موت اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی ہوگی جتنا شکستگی کا عذاب۔

یہ پل پل کی موت ہے' جڑنے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار کرنے والا اذیت ناک سفر۔ محض تن کی آسودگی کے لیے جڑنے والے رشتے اتنے ہی ناپائیدار اور بودے ہوتے ہیں جیسا عباد گیلانی نے اس سے جوڑا تھا۔ مومنہ نے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا لیا۔

بجھا ہے کون ستارہ ' کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسن
نہیں کہ اس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے
تمام عمر کٹی یوں بھی رائیگاں محسن

یاور علی' عباد گیلانی سے ملنے چلے گئے تھے۔ تب سے وہ جیسے ایک نئی اذیت سے گزر رہی تھی۔

تقدیر کبھی ہماری خواہش پر نہیں چلتی' وہ انسان کے بنائے ہوئے راستوں پر نہیں چلتی' اس کے اپنے راستے ہیں جو اٹل ہیں اور وہ سب کو اس پر چلاتی ہے اس کے باوجود انسان کتنا کم فہم اور نادان ہے خواہشات کے محل تعمیر کیے جاتا ہے امیدوں کی خوش نما چادر بنتا جاتا ہے اور جب یہ چادر ادھڑتی ہے' یہ ایوان پیروں میں ریت طرح ڈھیر ہو جاتے ہیں تو وہ بکھر جاتا ہے تقدیر سے شکوہ کرنے لگتا ہے' قدرت سے روٹھ جاتا ہے۔ وہ آزردگی سے سوچنے لگی۔

"لیجیے آپ یہاں بیٹھی ہیں اور اس گھر کا کونا کونا چھان مارا۔" یاور علی کے کمرے کا دروازہ کھول کر حوریہ اندر آ گئی۔

"پھوپھو آپ بھی ناں بس۔" وہ آتے ہی ان کے گلے میں بازو حمائل کر گئی۔

"کالج سے آکر دن بھر کی روداد آپ کو نہ سناؤں تو پتا ہے نا آپ کو' مجھ سے کھانا ہضم نہیں ہوتا اور آپ کا یہ پیارا موہنا چہرہ نہ دیکھوں تو بے چین سی رہتی ہوں۔"

"اب زیادہ مکھن نہ لگاؤ' بیٹھو۔" مومنہ نے اس کا نرم گداز ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے بیڈ پر بٹھا دیا۔ حوریہ کی نظریں ان کے چہرے پر پڑیں تو اسے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا' ان کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر ایسا لگتا تھا

سورج ڈوبنے کا لمحہ اتر آیا ہو۔

"کیا بات ہے پھوپھو۔ آپ رو رہی تھیں کیا؟" اس کی نظریں مومنہ کے چہرے کو کھوجنے لگیں ان کی شہابی رنگت میں عجیب دھندلاہٹ سی تھی ناک کے زیریں کنارے تیز سرخ ہو رہے تھے۔

"اگر آنسو ہر مسئلے کا حل ہوتے تو میں بہت پہلے ہی بہت سا رو چکی ہوتی۔" وہ اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے آزردگی سے بولیں پھر ہنس پڑیں مگر اس ہنسی میں بھی افسردگی کی جھلک بہت واضح تھی۔ حوریہ نے ان کا ہاتھ جکڑ لیا۔

"ایک آنسو پر ہی تو اختیار ہوتا ہے عورت کا موی پھوپھو۔ آنسو بھی نہ بہائے جائیں تو دل اندر سے سڑ گل جائے، مر ہی جائے۔

دادو کو عمر بھر یہی قلق رہ گیا کہ آپ روتی نہیں ہیں۔ میں تو کہتی ہوں پھوپھو رو لیجیے ایک بار کھل کر رو لیجیے اندر کا سارا غبار نکل جانے دیجیے، ساری تپش نکال دیں۔"

مومنہ اس کے اس رویے کی بے ساختگی اور شدت پر، دم بھر حیران رہ گئی۔ دوسرے پل اس کیفیت سے نکل کر ماحول کو نارمل کرنے کی غرض سے ہنس پڑیں۔

"ارے تمہیں تو بہت بڑی بڑی باتیں کرنی آتی ہیں، اس کا مطلب ہے تم اب بڑی ہو گئی ہو۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

حوریہ ان کے ٹالنے والے انداز پر چپ سی رہ گئی اور ان کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں اپنے زخموں کو اندر اتار لیا کرتی تھیں۔

"یہ بتاؤ کھانا وانا کھا لیا۔" وہ بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے سلیپر پہنتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"اوں ہوں، کہاں آپ کے بغیر کھاتی ہوں۔" وہ بھی ان کے ہمراہ کچن میں چلی آئی۔

"آج میں بہت ڈپریسڈ ہوں پھوپھو۔" وہ باورچی خانے کی سلیپ سے کمر ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"خیریت، خدانا خواستہ کیا ہو گیا۔" برتن کھولتے ہوئے مومنہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ تب اس نے ان کے ساتھ کھانے کی تیاری کرتے ہوئے فضا تنویر کے افیئر کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا۔

"پھوپھو وہ اس لڑکے کو بالکل نہیں جانتی۔ فقط اتنا کہ وہ اس کا محبوب ہے اسے راہ چلتے ہوئی ایک بار لفٹ دے دی تھی اس کے بعد ملاقاتیں شروع ہو گئیں وہ اس کے لیے عمدہ عمدہ گفٹس لا کر دیتا ہے، اس کی تعریفوں میں قصیدے پڑھتا ہے، نت نئے ماڈلز کی گاڑیوں میں آتا ہے، مہنگے پرفیوم میں بسا وہ یقیناً" ایک خوب صورت ویل آف فیملی کا بھی ہے، پڑھا لکھا ہے۔

"مگر پھوپھو وہ کیا ہے؟ اس کا خاندان۔ اس کا کردار، اس کا ماضی، حال، مستقبل وہ کچھ نہیں جانتی وہ مکمل ٹریپ ہو چکی ہے۔

پھوپھو میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ وہ خود جس ماحول میں رہ رہی ہے، اس کی اسٹیپ مادر اس سے نفرت کرتی ہے، وہ اس کی معمولی لغزش پر اسے دو منٹ میں گھر سے نکال دے گی اور اس کا باپ جو پہلے ہی اتنا سخت مزاج اور بیوی کی باتوں میں آکر فضا سے نالاں رہتا ہے، اگر اس کے علم میں یہ سب کچھ آ گیا تو...... تو سوچیں فضا کے ساتھ کیا ہو گا مگر وہ تو کچھ سوچنے کو سننے کو تیار ہی نہیں ہے، بس آنکھوں پر اس لوفر کی محبت کی پٹی بندھ گئی ہے۔

وہ اندھی ہو گئی ہے پھوپھو کھلے عام اس کے دیے ہوئے مہنگے سوٹ پہن کر گھومتی ہے، خدا جانے گھر والوں کو کیا جھوٹ بول کر بہلاتی ہے۔" مومنہ اس کے آگے سلاد کی پلیٹ رکھتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپکنے لگیں۔

"تمہارے اس طرح سوچنے اور پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ خواہشوں کے تلاطم میں سرشار، اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ منزل کی جانب بڑھ رہا ہے یا سراب کی طرف۔

سود و زیاں کا حساب تو بہت بعد میں لگایا جاتا ہے جب یہ طوفان تھمتا ہے اور سب کچھ کھو دینے کا احساس آگ بن کر روح کو جھلسانے لگتا ہے۔" وہ پرملال سی سانس بھر کر پانی بھرنے لگیں۔

"یہی تو مسئلہ ہے پھوپھو وہ اپنے سود و زیاں سے بے نیاز ہے۔ اس لفنگے نے جانے اسے کیا گھول کر پلا دیا ہے۔" حوریہ حقیقتاً "فضا کے لیے بے حد دکھی اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"عورت ذات پتنگ کی طرح ہوتی ہے' کردار کی ڈور اسے سہارا دیتی ہے اور وہ بلندیوں تک پرواز کرتی ہے' یہی ڈور اسے اوپر اٹھاتی ہے مگر جوں ہی ڈور ٹوٹ جائے' وہ پستی میں اتر جاتی ہے۔ پھر کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔"

"مگر یہ باتیں وہ کیوں نہیں سمجھتی پھوپھو۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"اسے کوئی سمجھانے والا نہیں ہے کوئی بڑی بہن ہے نہ ماں اور بقول تمہارے اس کی سوتیلی ماں تو اس سے نفرت کرتی ہے پھر وہ کیسے ان باتوں کو سمجھے گی اور ایسی ہی لڑکیاں ان ہوس زدہ مردوں کا تر نوالہ بنتی ہیں مگر خدا نہ کرے کہ اس کے ساتھ کچھ ہو۔ تم فضا کو گھر لے آنا' میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ اچھا اب تم کھانا تو شروع کرو۔"

مومنہ خود بھی کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ سفید شیفون کے ہلکی کڑھائی والے دوپٹے میں ان کا سرخ و سپید چہرہ دمک رہا تھا۔

حوریہ نے ہمیشہ اپنی اس پھوپھو کو بہت سادہ سا دیکھا تھا مگر اس سادگی میں بھی وہ بہت خاص لگا کرتی تھیں۔

"ہوں.... یوں بھی وہ آپ سے بہت امپریس ہے پھوپھو۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"تم ہی میری باتیں کرتی رہتی ہو' اس سے' وہ کون سا مجھ سے روز ملتی ہے۔" وہ ہنس دیں۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ جلدی سے بولی پھر نوالہ حلق سے اتار کر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"دادا جان دکھائی نہیں دے رہے؟"

مومنہ کا ہاتھ روٹی کے ٹکڑے پر لحظہ بھر لرزا۔ مگر دوسرے پل وہ نارمل نظر آئیں۔

"ہوں۔ کسی دوست کی عیادت کے لیے ہاسپٹل گئے ہیں بس اب تم جلدی جلدی کھانا کھاؤ اور نفیسہ (ملازمہ) سے کہو مجھے اچھی سی چائے بنا دے۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔

"آپ کھانا تو کھالیں۔"

"میں کھا چکی تھی کچھ دیر پہلے ہی۔ تم کھا کر چائے لے کر میرے کمرے میں آجاؤ پھر جی بھر کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ پیار سے اس کے بال سہلا کر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

عباد گیلانی کی ساری رپورٹس فائل کی صورت میں میز پر دھری تھیں اور تازہ رپورٹس سرجن زمان کے ہاتھ میں تھیں' جو قطعاً" تسلی بخش نہیں تھیں جسے انہوں نے حازم کی طرف بڑھا دیں۔ رپورٹس پر نظر ڈال کر حازم کا دل سخت کبیدہ ہونے لگا۔

"اب کیا کیا جائے۔" اس نے فائل بند کی اور استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر زمان کو دیکھا۔

عباد کی ٹیسٹ انوسٹی گیشن (تازہ تحقیق) کے مطابق تو کنڈیشن ہوپ فل (حالت امید افزا) نہیں ہے' کیونکہ کینسر بہت زیادہ اسپریڈ آؤٹ ہو گیا' (پھیل گیا) ہے۔ دراصل کینسر کے جو سیل (خلیے) ہوتے ہیں' ان کی ار ریگولر گروتھ (بے قاعدہ نشوونما) بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ بہت تیزی سے اطراف کے ہیلدی (تندرست) سیل کو ڈیمیج (تباہ) کرتے ہیں' جس کی وجہ سے جسم کے مختلف حصوں کا نارمل فنکشن بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ بٹ ناؤ

اٹس رئیلی ہارٹ ٹاسک (لیکن اب یہ حقیقتاً" دل کا کام ہے۔) اینی ویز (کچھ بھی ہو)۔ ؟"
ڈاکٹر زمان اسے کنڈیشن بتانے کے بعد فضا میں پھیلی افسردگی کو کاٹنے کی غرض سے ہلکی سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"ہمارا کام زندگی دینا نہیں ہے زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے، وہی بچانے والا ہے، ہماری فقط کوشش ہے اسے کامیاب بنانے والا وہی ہے۔" ان کا لہجہ تھپکتا ہوا تھا۔ گویا حازم کے دل گرفتہ دل پر تسلی کے پھاہے رکھنے کی ممکنہ کوشش کر رہا ہو۔

مگر حقیقتاً" یہ تھپکیاں اس کے دل کو بجائے تھپکنے کے اور آزردہ کر رہی تھیں، عموماً" ایسے الفاظ انسان کے منہ سے اسی وقت ادا ہونے لگتے ہیں جب وہ ساری بازیاں ہارتا جا رہا ہو امیدیں بکھرتی دکھائی دے رہی ہوں۔

مزاحمت اور نبرد آزمائی کی طاقت دم توڑ رہی ہو وہ بجھتا ہوا شعلہ ہوتا ہے جو بجھنے سے پہلے پورے زور سے بھڑکنے لگتا ہے۔

وہ ڈاکٹر زمان کے کمرے سے نکلا تو ایک پژمردگی پورے وجود کو جکڑے ہوئے تھی۔ وہ راہداری کی ریلنگ سے لگ کر سگریٹ سلگانے لگا پھر دھیرے دھیرے کش لیتے ہوئے ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا کی رونق کو گھورنے لگا۔

☆ ☆ ☆
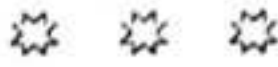
دراصل انتقام لینے کی طرف انسان کا میلان زیادہ پرجوش رہتا ہے۔ یہ فطری جذبہ ہوتا ہے وہ اپنی طاقت کے مطابق اپنے اوپر ظلم کرنے والے سے انتقام لینا چاہتا ہے، لے نہیں سکتا تو سوچتا ضرور ہے اور یہ جذبہ زہریلے مادے کی طرح خون میں رینگتا رہتا ہے، اسے سلگاتا رہتا ہے اور سچ ہی کہتے ہیں کہ انتقام ایک خوفناک جذبہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ہر طرف آگ مشتعل نظر آتی ہے فقیر سے لے کر امیر تک بلکہ بادشاہوں تک انتقام کا جذبہ موجود ہے۔ رشتہ دار، سے رشتہ دار سے، دوست، دوست سے اسی بدلے کا انتقام لینے کے لیے آمادہ دکھائی دیتا ہے۔

مگر کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ستانے والوں سے انتقام لینے کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس زور بازو ہے نہ دولت، حکومت، نہ ان کے منہ میں زبان ہے اور نہ ہاتھ میں قلم ہے، ایسے بے کسوں کا جب دل دکھتا ہے اور کوئی ان کے ساتھ بدی کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ان کے منہ سے آہ نکلتی ہے۔

یہ وہی آہ ہوتی ہے جس کے متعلق حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت ازد رحق بہر اشتعال می آید

یہ انتقام بہت سخت ہوتا ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی، یہ آہیں کبھی بجلیاں بن کر اہل ظلم کے خرمن حیات پر گرتی ہیں اور کبھی سیلاب بن کر زندگی کی تعمیر نو کرتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقام کا کام قدرت الہٰی اپنے ذمے لے لیتی ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے، جب انسان صبر و ضبط کے ساتھ اپنے معاملات عدالت ایزدی کے سپرد کر دے اور سچے دل سے کہے کہ میں اپنا معاملہ خدا بزرگ کے سپرد کرتا ہوں۔

اور یاور علی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تھوڑی بہت طاقت رکھنے کے باوجود اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا تھا اور آج عباد گیلانی سے قدرت خود انتقام لے رہی تھی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عباد گیلانی کو آج بستر مرگ پر دیکھ کر ان کا دل مسرور ہوتا، لبوں پر فاتحانہ اور استہزائیہ

مسکراہٹ کھلتی اس کی اس بے بسی پر آج دل مسرور ہوتا۔ مگر۔۔۔ یاور علی کا تعلق ان کم ظرف لوگوں میں کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ وہ اسے کینہ توز نظروں سے نہیں بلکہ متاسفانہ اور ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ تاہم سلگتے زخموں پر بے نام سے چھینٹے ضرور پڑے تھے۔

"حازم کہاں ہے۔" انہوں نے اس کی خیریت پوچھنے کے بعد اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے تابانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے آنے کو کہا ہے وہ ضرور آئے گا ہو سکتا ہے ابھی گیا ہو اور ڈاکٹر زمان کے روم میں ہو۔" وہ نحیف سی آواز میں بولے۔

"کیا تم نے اس سے میرا ذکر کیا ہے میرا مطلب ہے اسے میرے یہاں آنے کا بتایا ہے۔" یاور علی پر خیال انداز میں عباد گیلانی کی طرف دیکھا۔

"میں نے اسے یہ نہیں بتایا بس اتنا کہا ہے کہ میں اسے کسی گیسٹ سے ملوانا چاہ رہا ہوں۔ وہ ضرور آئے گا۔" یہ کہتے ہوئے جانے وہ یاور علی سے نظریں چرا گئے۔

اس بائیس سالہ زندگی میں اس نے حازم کے اندر فقط زہر ہی بھرا تھا اس کی ماں کے حوالے سے اس کی ننھیال کے حوالے سے اور اب اچانک وہ اسے کس طرح بتائیں کہ وہ سب کچھ جھوٹ تھا۔ جو تصویر وہ اس ماں کی پیش کرتا رہا ہے اس میں کوئی صداقت نہیں تھی۔

وہ اضطراری انداز میں چھت کو تکنے لگے اس کے رخساروں کی ابھرنے والی ہڈیوں میں اضطرابی کھنچاؤ پیدا ہو رہا تھا۔

بے بسی کس طرح خون نچوڑتی ہے رگ رگ سے اس کا ادراک عباد گیلانی کو شاید پہلی بار ہو رہا تھا۔

اپنی باون سالہ زندگی میں اس نے کبھی بے بسی بے اختیاری لاچاری جیسے الفاظ کے مفہوم سے آشنائی نہیں کی تھی۔ اس طرح کی کسی کیفیت سے نہیں گزرا تھا۔

اس کی زندگی تو سلگاتے ہوئے لاچاروں کی لاچاری کا تماشا دیکھتے ہوئے گزری تھی۔ یہ تلخ ذائقہ گھونٹ گھونٹ دوسروں کو پلایا ضرور تھا خود نہ پیا تھا۔

مگر جو کبھی لاچار نہ ہوا ہو وہ کبھی لاچار ہو گا ہی نہیں۔

جو کبھی بے بس نہ ہوا ہو وہ کبھی بے بس ہو گا ہی نہیں یہ کون کہہ سکتا ہے۔ جو ایسا دعوا کرتے ہیں وہ یقیناً "کم فہم اور نادان ہوتے ہوں گے۔

حلاوتوں کو تلخیوں میں بدلنا اس کے لیے ایک لمحے کا کھیل ہے بلکہ لمحے کے ہزارویں حصے کا مگر المیہ یہ ہے کہ اس کی حلاوتوں کے مزے لوٹنے والا اور اس کی رنگینی ست رنگ میں بدمست ہونے والا۔ اتنی گہرائی سے نیچر کا مطالعہ نہیں کرتا۔

اس کو عشرت کدہ تصور کرتے ہوئے اس کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب یہ عشرت کدہ اس کے لیے ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

یاور علی نے ایک گہری متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے سر جھکا لیا اور فرش کو گھورتے ہوئے فرش پر نادیدہ سی لکیریں کھینچتے رہے۔

کمرے میں چند لمحے مضمحل سی خاموشی طاری رہی عباد گیلانی نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں خود آپ کے پاس نہیں آسکتا تھا اس لیے میں نے آپ کو زحمت دی ہے میرے پاس زندگی کی سانسیں بہت تھوڑی رہ گئی ہیں حالانکہ ڈاکٹرز میرے دوست یار میرے بچے مجھے زندگی کی نوید دیتے رہتے ہیں مجھے امید

دلاتے رہتے ہیں مگر میں ناسمجھ بچہ نہیں ہوں۔ جانتا ہوں کہ زندگی سے چند سانسیں اور چرالوں گا اس سے زیادہ نہیں۔ پتا نہیں کیوں موت کی آہٹیں سننے والا خود بخود اپنے رب سے نزدیک ہو جاتا ہے اس کی آنکھوں کے آگے کوئی نادیدہ سی دھند چھٹ جاتی ہے اور بہت کچھ صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا شاید اس لیے کہ اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔ کمزوری غالب تھی ذرا سی دیر میں سانس پھولنے لگتی تھی۔

"بات یہ ہے کہ انسان موج مستی میں غفلت میں مبتلا رہتا ہے مگر جب موت اس کے سرہانے آتی ہے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ فقط موت کی ایک ہلکی سی آہٹ اس پر دنیا کی ساری حقیقت کھول کر رکھ دیتی ہے مگر جب تک اسے یہ آہٹ سنائی نہیں دیتی اس کی آنکھ بند اور دل غافل رہتا ہے۔"

یاور علی یہ کہتے ہوئے افسردگی سے مسکرائے۔ افسردگی کا یہ سحران کو بھی جکڑے جا رہا تھا۔

عباد گیلانی ایک زندہ لاش کی طرح ان کے سامنے پڑا تھا۔

ان کے زخم خود بخود سکڑتے چلے گئے تھے اور بے نام سی افسردگی روح کو جکڑنے لگی۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں آج بستر پر لیٹے لیٹے مجھے دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو رہا ہے' اپنی تمام تر دولت مجھے بے حد حقیر معلوم ہو رہی ہے۔ مجھے اپنی گزری زندگی پر پچھتاوا اور دکھ ہو رہا ہے کتنی عبرت کی بات ہے کہ میں اپنے آباؤ اجداد کی جائیداد اور اپنی عمر بھر کی کمائی سے اپنی زندگی نہیں خرید سکتا۔"

"یاور علی بے ساختہ جھکے اور اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ یہ بے نام سی تسلی بھرا لمس عباد گیلانی کا دل گداز کرنے لگا۔

وہ یاور علی کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے نحیف ہاتھوں میں جکڑ لیا اور ایک کمزور سی گرفت کرتے ہوئے مرتعش لہجے میں بولا۔

"میں مومنہ سے تو معافی نہیں مانگ سکتا۔ مگر آپ سے تو مانگ سکتا ہوں' میری روح پر رکھے اس بوجھ کو کم کر دیں' یہاں ایسا بوجھ رکھا ہوا محسوس ہو رہا ہے جیسے دل نہ ہو پتھر کی کوئی بھاری بھرکم سل ہو جس کے نیچے مجھے اپنی سانسیں دبتی محسوس ہو رہی ہیں۔" اس نے یاور علی کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے بے حد یاس اور آس سے انہیں دیکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ ایک باظرف اور ہمدرد انسان ہیں آپ کا یہاں تک چلے آنا مجھے ایک امید دلا گیا ہے ایسی امید جو ڈوبنے والے کو ساحل پر کھڑے تیراک سے ہوتی ہے۔ آپ تو شناور ہیں نا' مجھے اس موجوں سے نکال کر ساحل پر لے آئیں' میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

اس کی ڈبڈبائی آنکھوں سے قطرے پھسلتے ہوئے یاور علی کے ہاتھ کی پشت پر گرم گرم سیال کی مانند کرنے لگے عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی' یاور علی کو اپنے پہلو سے عجیب آنچ اٹھتی محسوس ہوئی انہوں نے کسی پر شفیق باپ کی طرح بے ساختہ اپنے دونوں بازو پھیلا کر عباد گیلانی کو اپنے سینے میں بھر لیا۔

انہیں وہ کسی خوفزدہ کم سن بچے کی طرح لگا جو ان کی پناہ کا ہی طالب تھا اور ان کی پناہ میں چھپنا چاہ رہا ہو' ان کے وجود میں پیوست ہو جانے کو بے قرار ہو۔

میکانکی انداز میں ان کے بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد تنگ ہونے لگا۔

یہ چند لمحے عجیب کشاکشی کے گزرے' وہ خود حیران متحیر تھے کہ وہ غصہ' وہ رنج' نفرت جانے کہاں بہہ گئی' جو وہ اپنے دل میں اسی آدمی کے لیے شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ یکدم ان کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی وہ

بس اس کی کمر پر ہلکے سے تھپکی دے کر رہ گئے اور آہستگی سے ہاتھ کھینچ کر خود کو کرسی پر گرا لیا۔ ان کی آنکھوں کے گوشے نم نم ہو رہے تھے۔ پنکھے کی ہوا سے پتلیوں پر ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔

حازم دروازے پر کھڑا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اس کا باپ ایک بوڑھے بارلیش کے سینے سے لپٹا بچوں کی طرح رو رہا تھا' معافیاں مانگ رہا تھا پھر اسی بوڑھے نے اس کی کمر پر تھپک کر خود سے اسے الگ کر لیا۔

اب عباد گیلانی کے اندر سے امڈتا حزن کمرے کی پوری فضا کو جیسے بوجھل کر رہا تھا۔

اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار باپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا جال اور لبوں سے معافی جیسے الفاظ نکلتے دیکھے تھے۔ کسی کے آگے گڑگڑانے کا یہ مشاہدہ اس کی آنکھ کے لیے یقیناً "تحیر آمیز" تھا۔

وہ مزید یہ منظر برداشت نہیں کر سکا اور اندر داخل ہو گیا۔

عباد گیلانی اسے دیکھ کر جلدی سے آنکھیں رگڑنے لگا۔ "اتنی دیر لگا دی تم نے 'کہاں رہ گئے تھے۔"

"میں ڈاکٹر زمان کے پاس تھا بس ادھر سے ہی آ رہا ہوں۔"

وہ جھکا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

عباد گیلانی اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"ان سے ملو حازم' یہ یاور علی ہیں۔" اس نے حازم کی توجہ یاور علی کی جانب کرائی۔ جن کی نظریں پہلے ہی حازم کے سراپے پر جم سی گئی تھیں۔

کئی منظر' کئی چہرے' کئی باتیں طوفان کی طرح سرسرانے لگیں۔

پلکیں جھپکنے سے پہلے تک کے تصور میں مومنہ کا چہرہ ابھرا۔ انہیں لگا وہ عباد گیلانی جیسا قد کاٹھ رکھتے ہوئے بہت حد تک مومنہ سے مشابہ ہے کھلتی شہابی رنگت' آنکھوں کا نشیلا پن ہاں مگر اس کی آنکھیں بھوری نہیں تھیں۔

ویسی ہی کھڑی ستواں ناک۔ پلکوں کا ویسا ہی گداز پن۔

یاور علی کا پورا وجود انوکھی مسرت سے کانپنے لگا۔ وہ ایک سرخوشی کے ساتھ کرسی سے اٹھے تھے ان کے دونوں نحیف بازو اسے گھیرے میں لینے کو مچل اٹھے۔ ان کا سینہ اسے اپنے اندر سمیٹنے کو دیکھنے لگا۔

"یہ تمہارے نانا ہیں یاور علی۔" عباد گیلانی نے حازم سے تعارف کراتے ہوئے دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا وہ جانتے تھے یہ تعارف حازم کے لیے کسی شاک سے کم نہ ہو گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ وہ دم بخود رہ گیا اور تحیر آمیز بے یقینی سے باپ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)